

عصمت چغتائی کے افسانوں میں رسوماتی و توہماتی عناصر _____ استحصالی تناظر میں

ڈاکٹر غلام اصغر

Abstract

Ismat Chughtai is a well-known progressive, realistic & black comedy short story writer. She narrated and painted the real shape of Sub-continent miserable life in colonial era & its tremouring after shocks. In Ismat Chughtai era, there was a vast difference and updown in whole community in sense of living styles, customs and standards as well as the religious sectarianism. Ignorance & discrimination in the society was overwhelmed by supernatural and fuderalistic elements. In this article, author tried to give a bird eye view on Chughtai's fiction to reach the ignorance of society in her era.

عصمت چغتائی کے افسانے سماج کے اعلیٰ طبقے میں ہونے والے واقعات و حادثات کے بہترین عکاس ہیں۔ رومانیت کے مروجہ تصور میں ترمیم کر کے اپنے لیے الگ راہ نکالنے والی عصمت چغتائی اردو کی پہلی بے باک افسانہ نگار خاتون ہے۔ اُن کے یہاں طنز آمیز جملے اور زبان انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز حیثیت سے نوازتے ہیں۔ عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری کی خصوصیات کے بارے میں پروفیسر وقار عظیم لکھتے ہیں:-

"حق کے اظہار کے لیے انھوں نے بہت سے لطیف اور شدید حربوں سے کام لیا ہے۔ تیکھے طنز، چست فتوے، شکر میں لپٹی ہوئی کڑوی باتیں، ہنسی مذاق اور اسی ہنسی مذاق میں ہجو، ملیح، پھبتیاں، باتوں کی چٹکیاں، ہنس کر سب کچھ کہہ جانا، یہ سیدھی سادی روزمرہ کی باتیں، اُن کے فن کے تھوڑے سے حربے

عصمت کے افسانوی موضوعات عام گروہ کے سماجی مسائل اور جنسی بے راہ رویاں ہیں۔ ان کے آس پاس کا جو ماحول تھا، انھوں نے اسے اپنی فنی چابک دستی کے سہارے حرفوں، لفظوں اور جملوں کا لبادہ عطا کیا ہے۔ اس کے متعلق فضل جعفری کا کہنا ہے:-

"عصمت نے اپنے افسانوں میں جو ماحول پیش کیا ہے وہ وہی ہے جو اُن کا اپنا ماحول رہا ہے اور جس کی حقیقی عکاسی کے لیے وہ مشہور ہیں یعنی ایسا متوسط یا غریب متوسط مشترکہ خاندان عموماً دولت، علییت یا افراد خاندان کی غیر معمولی صلاحیتوں کی فراوانی کی بجائے گھریلو محبتوں اور عداوتوں، معاشی بد حالی، بے ضرر گالیوں، جائز اور ناجائز بچوں کی فراوانی پائی جاتی ہے۔" 2

ترقی پسند نقاد پروفیسر قمر رئیس کا خیال ہے کہ عصمت چغتائی کی شہرت کا سبب اُن کا خاتون پن نہیں ہے بلکہ حقیقت پسندی طنز کا لیپ چڑھا بے باکانہ طرز نگارش ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

"عصمت چغتائی کو اُردو افسانہ کی خاتون اول کہا گیا ہے، یہ خیال اس لحاظ سے درست نہیں کہ اُن کی شہرت اور بڑائی کا انحصار اُن کے خاتون ہونے پر نہیں۔ اُن کی غیر معمولی صلاحیت اور مشاہدہ کی وسعت پر ہے اور اس پر ہے کہ انھوں نے زندگی کی اُن سچائیوں سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ جن میں اُن سے قبل کے افسانہ نگاروں نے صرف نظر کیا۔" 3

عصمت کے افسانوں میں سب سے زیادہ چوٹ محلات کی زندگی پر دگی پر کی گئی ہے۔ امرائے زمانہ کا سب سے بڑا اور اہم وظیفہ ”مباشرت“ ہے۔ اُن کی زندگی کے تمام غالب پہلو صرف جنس کاری ہے اور اس کی خاطر اُن کے پاس اخلاقی جواز کی بجائے مذہبی جواز ہے۔ لکھنو کے نواب شجاع الدولہ کی دو ہزار مدخولہ عورتوں کی پلٹوں کا ذکر ہو یا جے پور کی راجے بھگوان داس کی اٹھارہ سو بیویوں کا بیان، عورت کے ساتھ یہ مذاق ایک خاتون افسانہ نگار کے لیے ناقابل قبول ہے۔ اس لیے عصمت کے افسانے ”اپنا خون“ میں قاری کو افسانہ نگار کا کھولتا ہوا خون نظر آتا ہے، جہاں وہ نواب صاحب کی باندیوں اور بیویوں کا ذکر کرتی ہے اور پھر اس میں نواب صاحب کی شادی کی رسوم کے مذہبی دفاع کا حضرت پیر و مرشد کے کردار کو رگڑنے کے ساتھ ساتھ اُن کا بھی مذاق اڑاتی ہے جو مصلحت پسندی میں اس سب غلاظت کا حصہ ہیں۔ افسانے کے اقتباس میں عصمت کا پس منظر میں طنزیہ چرکا ملاحظہ ہو:-

”نواب صاحب کے حرم میں لونڈیوں، باندیوں کے علاوہ سترہ اٹھارہ بیویاں بھی تھیں۔ نواب صاحب کے پیرومرشد کے حکم کے مطابق وہ سب بیویوں کو حق زوجیت باری باری سے بخشے تھے۔ روز شام کو ایک بیوی کا بلاوہ آجاتا تھا۔ اس میں بڑے جوڑ توڑ چلا کرتے۔ بالا بالا رشتوں چلتی تھیں جو بیوی ذرا کجھوسی کرتی، اہل کار اس کی باری گڈمڈ کر دیتے۔ نواب صاحب بے چارے کو تو ٹھیک طرح یاد بھی نہیں تھا کہ کون سی نکاح میں ہے، کون سی طلاق کے بعد بطور لونڈی کے کام آسکتی ہے۔“ 4

عصمت چغتائی کے انداز میں چلبلی لڑکی کا جذباتی پن نمایاں ہے۔ وہ اس لحاظ سے منٹو کے قریب ہے کہ وہ ہر بات کو عام بات سمجھتی ہے اور اس لیے دبیز پردے کی قائل نہیں ہے اُس کے نزدیک عورت یا مرد کے بین جو رشتہ ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے تو اُس کو فحش کیوں کہا جاتا ہے۔ ہر مرد کے سامنے عورت اور ہر عورت کے سامنے مرد ننگا ہے۔ یہ خود فریبی کیوں برتی جاتی ہے اور اس کے مطابق فن کار کو کم از کم یہ مصلحت پسندی اور خود فریبی کے جھنجھٹ سے بچنا چاہیے۔ عصمت لکھتی ہیں:-

”اب زندگی کی تصویر ہے اور اس کے لیے ماڈل درکار ہیں۔ پھر؟ آپ کہیں گے، شرم نہیں آتی!۔“ جی سچ مچ نہیں آتی۔۔۔ اگر آپ کہیں تو عاریتاً شرم مانے کو تیار ہیں۔“ اگر مصور شرمانا ہی شروع کر دیتے تو آج آپ کو آرٹ نظر نہ آتا اور پھر نئے ادیب آئینہ ساز ہیں۔ ہر شخص اس آئینہ میں منہ دیکھ کر شرماسکتا ہے۔“ 5

عصمت کے اس اقتباس سے جناب تابش الوری کا یہ فرد یاد آتا ہے:-

آئینہ بد لحاظ ہوتا ہے، یہ خوشامد سے بہرہ مند نہیں

ہمیں وہ بھی دکھائے جاتا ہے، جو دیکھنا ہمیں پسند نہیں 6

عصمت چغتائی نے اپنے افسانے کے موضوعات کو رسوم و روایات اور توہم آمیز مذہبیت یا مذہب آمیز توہم پرستی کے گہرے چرکوں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ افسانے میں ان کے تضادات ہماری سوچ کو نئی جہتیں فراہم کرتے ہیں اور چند سوال پیدا ہوتے ہیں جن کے جوابات ڈھونڈنے کے لیے زیادہ دیر نہیں لگتی بس اپنے مذہبی اور سماجی دائرے سے بغاوت کرنا پڑتی ہے۔ اسی خاص رنگ کو

عصمت کے شاہکار افسانے ”بدن کی خوشبو“ میں دیکھا جاسکتا ہے جہاں دو بھائیوں (نواب زادوں) کے مابین لونڈی کے معاملے پر بات ہو رہی ہے کہ اُن کو جنسی آسودگی کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے:-

”بکواس مت کیجیے۔۔۔“ اس کا مطلب ہمارے جد امجد سب کے سب حرام کا رتھے۔ ایک آپ پیدا ہوئے۔ متقی پرہیزگار۔۔۔۔۔ کبھی ارکان دین کا مطالعہ فرمایا ہے؟ ”نہیں تو، مگر۔۔۔۔۔ یہ بات عقل میں نہیں۔“ پتھر پڑ گئے ہیں آپ کی عقل مبارک پر، معلوم ہے نہیں کچھ اور آئیں بائیں شاہیں ہانکنے لگے۔۔۔“ مگر قانونا جرم ہے۔۔۔“ ہم یہ کافروں کا قانون نہیں مانتے۔ ہم خدائے ذوالجلال والا کرام کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔“ 7

مذہب کی آڑ میں لونڈیوں کا جور و اج شرفائے زمانہ کے گھروں میں چلا آتا ہے، وہیں ایک صاحبِ دل لڑکا پیدا ہو جاتا ہے جو لونڈی کے کلچر کا سخت مخالف ہوتا ہے اور اُسے عقلاً اور اخلاقاً تسلیم نہیں کرتا جب کہ اُس کے پاس باندی بھیجی جاتی ہے اور وہ اُسے چھوئے بغیر واپس بھیج دیتا ہے۔ اس عمل پر وہ لے دے ہوتی ہے کہ اُس کا جینا حرام کر دیا جاتا ہے۔ اس پر مذہب سے لے کے نامردی تک ہر قسم کے کچھو کے لگائے جاتے ہیں جب کہ وہ ان رسومات کے جال سے آزاد ہوتا ہے۔ اس لیے اُسے اس سب کے لیے لڑنا جھگڑنا پڑتا ہے۔ اس روایت شکن باغی نواب زادے کو اس رسم کی توجیہ بھی پیش کی جاتی ہے۔ اس بارے میں عصمت چغتائی اپنے افسانے ”بدن کی خوشبو“ میں لکھتی ہیں:-

”ہمارے قبلہ و کعبہ جاہل تھے؟۔۔“ ہوں گے، مجھے کیا پتہ۔۔“ کیوں گھاس کھا گئے ہو، بزرگوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی رواج بنایا، اب تک ہمارا خاندانوں میں اسی پر عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ باندی مل جائے تو جوان لڑکے بے راہ نہیں ہوتے۔ بُری لتوں سے بچتے ہیں، صحت اچھی رہتی ہے۔“ یہ سب حرام کاری کو جائز بنانے کے ہتھکنڈے ہیں۔۔“ تم کفر بک رہے ہو، مذہب کی توہین۔۔۔ نالائق بھی ہو اور۔۔ بد تمیز بھی لا حول ولا۔۔ میری بلا سے تم جہنم میں جاؤ۔۔۔“ 8

عصمت چغتائی نے اسی بھیانک رسم کا اگلا منظر بھی دکھایا ہے کہ جن، ”کم ذاتوں“ سے اولاد پیدا ہو تو وہ دوسرے درجے کے انسان گردانے جاتے ہیں۔ اُن، ”بڑے لوگوں“ کی اپنی اولاد وہی سمجھی جاتی ہے جو، ”نسلی“ اور خاندانی بیوی سے پیدا ہو۔ اسی کی خاطر

سب خوشیاں بھی ہوتی ہیں جب کہ نوکرائیوں اور لونڈیوں سے ہونے والی، ”جائز“ اولاد کو نہ مرتبہ ملتا ہے نہ گھر میں جگہ بلکہ اُن کے لیے جائیداد تو درکنار؛ باپ کا نام بھی نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو ”ٹیسٹ بے بی“ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ”شریف زادے“ کا ٹیسٹ لیا گیا کہ وہ اس تجربے کے قابل ہے یا نہیں۔ اس معاشرت کا مَنہ چڑانے کے لیے عصمت نے ایک بہن کے ذریعے بھائی کی ”جائز“ اولاد کے ساتھ راج دھرمی اور سماج دھرمی تقاضوں کا مذاق اڑوایا ہے۔ افسانہ، ”گیندا“ کا اقتباس ملاحظہ ہو:-

”جب بہو کے کالا کلوٹا بچہ ہوا تھا جو کچھ دن بعد مر گیا تو کیسے گانے بجانے ہوئے تھے۔ بہو کو منوں گھی اور گڑ ٹھنسیا گیا۔ اور اب جو گیندا کا اتنا گور سا بچہ ہوا تو کچھ بھی نہیں۔ گیندا پٹی اور بھو کی رکھی گئی اور مرتے مرتے بچی۔ تب یہ ننھا سا ”للو“ آیا۔ للو کے پاس دو ہی کُرتے تھے! ٹھنڈ میں مرا جاتا تھا۔ رات بھر روتا تھا۔“ 9

عصمت نے دو رنجی سماج کے اندر ہونے والی رسوم شرف کا خوب مذاق اڑایا ہے کہ یہ ”شرفا“ اپنے بیٹوں کا خیال رکھتے ہیں کہ انھیں باندیاں لا کر دیتے ہیں تاکہ انھیں کبھی جنسی طلب کے لیے پریشان نہ ہونا پڑے اور اس کے لیے خوب صورت باندیاں خریدی جاتی ہیں اور بیٹیوں کے لیے اونچے ذات پات کے لڑکے تجویز کیے جاتے ہیں اور اس میں اُن پر قد غن ہوتی ہے کہ وہ جنسی اختلاط کی طرف نہ جائیں۔ خاص قسم کے جاگیر داری دماغ یہ طے کرتے ہیں کہ لڑکے کا رشتہ اپنے سے ”بڑے گھر“ میں کیا جائے اور لڑکی کا رشتہ اپنے سے ”چھوٹے گھر“ میں کیا جائے۔ ان دونوں معیارات میں بھی ایک خاص قسم کی منطق موجود رہتی ہے۔ اسی طرح کے دوہرے سماج اور مزاج والے ایک منظر کو عصمت نے اپنے افسانے ”بہو بیٹیاں“ میں دکھایا ہے جہاں بیٹی کی محبت کی مرضی کو نواب صاحب پس پشت ڈال کر رشتہ کرتے ہیں۔ یہ رشتہ بھی کسی نسلی تفاخر پانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ بیٹی بھی نواب کی بیٹی ہے، وہ غریب گھر میں نہیں جانا چاہتی، یہ اپنی جگہ پر ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ اقتباس دیکھئے:-

”مجھے شادی نہیں کرنا۔۔۔ مریم نے پہلے یہ کہہ دیا تھا۔۔۔ ارے لڑکی دیوانی ہوئی ہے۔ تمہارے پاپا بہت اچھی سروس دلوائیں گے۔۔۔ لڑکا غریب گھرانے کا ہے مگر سید ہے۔“ 10

عصمت نے ان شرفائے زمانہ کے ایک اور روپ کو بھی دکھایا ہے کہ جو نام نہاد مذاہب کے سر تیج اور لوگوں کی نگاہوں میں شرافت کا منبع و مرکز ہوتے ہیں۔ مساجد میں سجدوں اور چٹائیوں کے عطیات کی رسمیں ان لوگوں کے دم سے ہوتی ہیں اور اُن پر اندر

کا انسان کیسا ہوتا ہے کہ ایک مجبور لڑکی سے اپنی رسم مردانگی کس طرح نبھاتے ہیں۔ عصمت کے افسانے، ”ننھی کی نانی“ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:-

”دوپہر کا وقت تھا۔ ڈپٹیا مین، اپنے بھائی کے گھر بیٹے کا پیغام لے کر گئی ہوئی۔ سرکار خس خانہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ ننھی پنکھے کی ڈوری تھامے اونگھ رہی تھی۔ پنکھا رک گیا اور سرکار کی نیند ٹوٹ گئی۔ شیطان جاگ اٹھا اور ننھی کی قسمت سو گئی۔ کہتے ہیں بڑھاپے کے آسیب سے بچنے کے لیے مختلف ادویات اور طلاؤں کے ساتھ حکیم بید چوزوں کی یجنی بھی تجویز فرماتے ہیں۔ نو برس کی ننھی چوزہ ہی تو تھی۔“ 11

عصمت نے جہاں جنسی اختلاط کے بھیانک روپ، رسموں اور توہمات دکھائے ہیں وہاں یہ جنسی کشش فطری رنگ میں بھی دکھائی ہے، جہاں جنس کا صحت افزا روپ دکھایا ہے وہاں اس کے بین موجود دیوار بھی دکھائی ہے کہ مذہب نے انسان کو اس طرح تقسیم کر رکھا ہے۔ اس توہم اور مذہبی تنگ نظری کی روش کو عصمت نے بار بار دہرایا ہے کہ انسان کس طرح چوری چھپے جنسی اختلاط کرتے رہیں مگر سب کے سامنے اُن کو اجازت نہیں کہ وہ اس کو قانونی حیثیت دے دیں۔ خاص کر مذہبی برتری اور مذہبی تفرقہ کے بیچ چھپی رسم شادی کو عصمت نے افسانہ، ”کافر“ میں یوں بیان کیا ہے:-

”ہماری تصویریں، ہماری عشق بازی اور موجودہ تعلیم کی وہ درگت بنائیں گے کہ جینا دشوار ہو جائے گا۔ غیر مذہب میں شادی کرنا جرم ہی نہیں بلکہ ایک آفت ہے۔ ہماری قوم کے لڑکوں کو یہ اجازت ہے کہ وہ ہندو عیسائی جس سے چاہیں شادی کر لیں لیکن لڑکیوں کو نہیں اور آج تک فخر سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان لڑکی کو کبھی عیسائی سے شادی نہیں کرنی چاہیے نہ معلوم کہاں تک یہ فخر بجا ہے۔“ 12

عصمت کے ہاں یہ احساس بھرپور ملتا ہے کہ انسان کو مذہب نے ہی تقسیم کیا ہے ورنہ فطرت نے انسان کو تقسیم نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر مذہب کے پیرو کو دوسرے سے مختلف پیدا کیا جاتا اور ان کے زندہ رہنے کے لوازمات بھی مختلف ہوتے۔ رسموں سے ہم ان کو الگ تو کرا لیتے ہیں مگر یہ صرف ہمارے اندر کا وہم ہے ورنہ انسان کے بیچ کی یہ خلیج ہماری خود تخلیق کردہ ہے۔ اس کا زبردست مظاہرہ عصمت کے افسانے ”وہ کون تھا“ میں ملتا ہے جہاں دو بچوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ایک بچہ مسلم اور ایک ہندو ہوتا ہے بعد میں دونوں کا پتا نہیں چلتا کہ دونوں میں سے مسلمان بچہ کون سا ہے اور ہندو کون سا ہے۔ اس افسانے میں انسانی پیدائش کے عمل کی

یکسانیت بھی دکھائی گئی ہے اور رسموں کے ذریعے چوٹ بھی کی گئی ہے۔ عصمت کا انداز اتنا بھرپور ہے کہ رسموں سے مضحکہ خیز سوالات جنم لیتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:-

”ادھر رحمت مائی عاقبت کے بورے سمیٹنے پر تلی ہوئی تھی۔ بچے کے کان میں اذان دینے کے لیے مولوی ہوئی تھی۔ تب ہی ماناجی اور ٹھکرائن رام رام کہہ اُٹھی تھیں۔ بڑی رد و قدح کے بعد یہ فیصلہ ہوا تھا کہ فی الحال دونوں کے کان میں اذان دلوادی جائے۔ اللہ کا نام کان میں پڑنے سے کوئی نقصان نہیں۔ جب مولوی اذان دے کر سوار و پیہ فی بچہ کے حساب سے ڈھائی روپے لے کر چلتا بنا تو ماناجی نے رحمت مائی کی ریں ریں کی پروا کیے بغیر بچوں پر گنگا جل چھڑکا اور آرتی اتاری۔“ 13

عصمت چغتائی کے افسانے ”بخار“ میں دیوالی سے لے کر عید الاضحیٰ تک کا غیر مقصدی پہلو اجاگر کیا ہے جہاں اُن کے رواج کو بیان کیا ہے وہاں اس کے اوپر گہرا طنز بھی ملتا ہے۔ اس میں مسلمان لڑکی اور ہندو لڑکے کے معاشقے کا ذکر ہے جس میں دونوں کے بیچ بار بار لڑائی کا سبب مذہبی رسومات ہی ہیں۔ عید قربان پہ ہندو لڑکا جب بکرے کو ذبح ہوتے دیکھتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ اُسے روتا دیکھ کر مسلم لڑکی اس قربانی کی توجیح بیان کرتی ہے کہ یہ عمل تو ثواب ہے تو وہ اس عمل پر حیرت کا اظہار کرتے سوال کرتا ہے:-

”ثواب ہے۔۔۔ بکرے کا کاٹنا ثواب ہے؟ ہاں اور کیا۔۔۔ جب ہم جنت میں جائیں گے تو کیا ان بکروں پر سوار ہو کر پل صراط پر سے گزریں گے۔ ہم فنافٹ چلے جائیں گے اور تم رہ جاؤ گے۔ میں اپنی سائیکل پر چلا جاؤں گا، میں جل گئی، واہ جناب پل صراط بال سے بھی باریک اور تلوار سے بھی تیز ہے تو دھڑام سے دوزخ میں گر پڑے گا اور ہم بکروں پر ٹک ٹک کرتے چلے جائیں گے۔“ 14

عصمت کے یہاں مذہبی عناصر ہوں یا مذہب آمیز توہمات و رسومات سب کے لیے بیانیہ میں ایک گہری کاٹ نمایاں ہے۔ جب کہ توہمات و رسومات کو منفی پہلو میں بھی دکھایا گیا ہے اور اس کو بیان کرنے میں اس کے لفظوں میں جھجک نہیں ہے۔ مذہبی علامات و آثار کو عصمت نے اپنے افسانے ”چھوٹی موٹی“ کے شروع میں بیان کر کے اپنے عقیدے کا بیان کیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:-

”آرام کر سی ریل کے ڈبے میں لگا دی گئی اور بھائی جان نے قدم اٹھایا، الٰہی خیر!۔۔۔ یا غلام دستگیر۔۔۔ بارہ اماموں کا صدقہ۔۔۔ بسم اللہ۔۔۔ بسم اللہ۔۔۔ بیٹی جان سنبھل کے۔۔۔ قدم تھام کے۔۔۔ پانچ اٹھا

کے۔۔۔ سچ، بی مغلانی نقیب کی طرح لکاریں۔۔۔ کچھ میں نے گھسیٹا کچھ بھائی صاحب نے ٹھیلایا۔
 تعویذوں اور امام ضامنوں کا اشتہار بنی بھابھی جان تنے ہوئے غبارے کی پھنٹی سیٹ پر لڑھک بیٹھی۔” 15

اسی افسانے میں جہاں ابتداء ہی تو ہم پرستی سے ہوئی ہے وہاں امیر اور غریب کے بین فرق دکھایا گیا ہے۔ اس افسانے کی تکنیک دیکھ کر منٹو کا افسانہ ”اوپر نیچے اور درمیان“ یاد آتا ہے کہ ایک طرف امراء کا طریق کار جنسیت وزیست اور دوسری طرف غریبوں کا طرز زندگی کا حال کیا ہے۔ دونوں کے بیچ جو خلیج ہے اس میں احتیاطی تدابیریں اور مصنوعی پن کا جو حال ہے اس میں غریب طبقہ جیت جاتا ہے۔ اس افسانے میں ایک طرف ایک حاملہ امیر زادی کو صرف ڈبے پر سوار کرنا اتنا اہم اور پُر احتیاط دکھایا گیا ہے کہ اُس کی خاطر پورا ڈبہ ہی بک کر الیا جاتا ہے کہ اُسے شور اور دوسری چیزوں سے محفوظ کیا جائے جب کہ اُسی ڈبے میں ایک فقیرنی آجاتی ہے اور بغیر کسی سہارے کے وہ وہاں تنہا بچہ جنتی ہے۔ اس بیان کے ساتھ ساتھ عصمت تو ہم پرستی کا ذکر بھی کرتی ہے:-

”بزرگ لوگ لڑکیوں کو بچہ کی پیدائش دیکھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیب النساء نے اپنی بہن کے بچہ پیدا ہوتے دیکھ لیا تھا تو وہ ایسی ہیبت زدہ ہوئی کہ ساری عمر شادی ہی نہ کی۔ شاید زیب النساء کی بہن میری بھابھی جان جیسی ہوگی۔ ورنہ اگر وہ اس فقیرنی کے بچہ پیدا ہوتے دیکھ لیتی تو میری ہم خیال ہو جاتی کہ سب ڈھونگ رچائے ہیں۔ بچہ پیدا کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا بھابھی جان کے لیے ریل پر سوار ہونا یا

اترنا۔” 16

عصمت کے افسانوں کا اصل وہی ترقی پسندیدیت ہے جہاں مذہب کو جدیدیت اور مارکسیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مذہب انسانی طبقاتی تقسیم کی بڑی وجہ ہے۔ انسان ایک جغرافیے کے اندر بھی تقسیم ہیں بلکہ ایک چار دیواری کے اندر بھی یہ خلیج برقرار ہے۔ اسی تقسیم کو مختلف رسومات مذہبیہ کے اندر دکھایا گیا ہے اور اس منظر کو افسانہ ”جانی دشمن“ میں انسانی ذہنی تضاد کی صورت میں غیر یقینی حالت کو دکھایا گیا ہے۔ عصمت اپنے اس افسانے میں لکھتی ہے:-

”ارے بھی تم ٹھہریں سنی جماعت، شیعہ لڑکیوں کی مجلس سے واسطہ؟“ ارے اللہ قسم بڑا مزا آئے گا، مسرور فاطمہ کیا نوے پڑھتی ہے کہ کلیجہ ہل ہل جاتا ہے۔ ”تو اب ہوئی اور دیوالی بھی منواؤ گی؟ لوگ پوچھتے۔ کیوں نہیں جی۔ ہمیں دیئے اچھے لگتے ہیں مگر خدا کے لیے اب کر سمس کے لیے تو چندہ نہ بٹورہ۔ کم

بخت انگریزوں کا تہوار ہے اُدھر کھد رہے جان دیے دیتی ہو۔ گاندھی جی کے چرن چھونا حاصل زندگی سمجھتی
ہو اور ادھر کر سنوں کے ساتھ مل کر۔۔۔۔۔ 17

عصمت کے افسانوں کے کردار اکثر ثقافتی ہمہ جہتی کے قائل نظر آتے ہیں اور مخصوص مذہب کی بجائے ہندوستانی مشترکہ
ثقافت کے رسیا اور دلدادہ دکھتے ہیں۔ اس لیے تمام رسومات مغربی مناتے نظر آتے ہیں۔ اسی رنگ کو مثبت یا منفی دونوں طرح بیان
کرنا عصمت کے اسلوب کا خاص رنگ ہے۔ عصمت کے افسانے ”لبے ہاتھ“ کے کردار نور الدین کو دیکھیے جو ایک ڈرائیور تھا مگر ایک
سوشلسٹ تھا۔ اس کے بارے لکھتی ہیں:-

”مضان میں روزے سب ہی رکھتے ہیں مگر نور الدین کے روزوں کا کوئی موسم تھا نہ جواز۔ بس اندھا
دھند روزے رکھتے تھے۔ جب دیوالی دسہرے پر موٹروں کی پوجا ہوتی، پھول، ہار سیندور سے سجایا جاتا تو
نور الدین بہت شکر گزار نظر آتے۔ جیسے پوجا پاٹھ سے بھی موٹر کی درازی عمر کے امکانات ہیں۔۔۔
گپنی، جنم اشٹمی، عید میلاد کے موقع پر دل کھول کر چندہ دیتے اور باقاعدہ بھجن کیرتن سن کر جھومتے،
سردھنتے، عجب بوگڑ تھے۔“ 18

عصمت نے جہاں خاص رسموں اور رواجوں کی بات کی ہے وہاں بہت مہین اور عام رسموں کی بات بھی کی ہے جس سے اُن
کے عمیق مشاہدے کا پتہ چلتا ہے اور دوسرا انھوں نے بچپن میں خود اُن بچیوں کی رسموں کا حصہ بن کے جو تجربہ حاصل کیا وہ بھی اُن کی
تحریروں میں موجود ہے۔ گھریلو رسموں کے ساتھ مربوط دیگر رسمیں اور واقعات کو بھی بیان کرنے میں عصمت نے کنبوسی سے کام
نہیں لیا اور بے باکانہ اور صریح انداز میں بیان کیا ہے۔ عصمت چغتائی کے افسانے ”نفرت“ میں ایسا ہی اظہار ملتا ہے جب لڑکیوں کی
پارٹی کی رسم ہوتی ہے۔ اس بارے میں وہ لکھتی ہیں:-

”فخرن اپنی سہیلیوں کو جھولا پارٹی میں بلا رہی تھی اور ان جھولا پارٹیوں سے لڑکوں کا دم نکلتا تھا۔ سارے
دن کے لیے گھر میں پردہ ہو جاتا تھا۔ مگر گھر کی ہر کھڑکی اور دروازے سے وہ مہذب خواتین جھانک
جھانک کر لڑکوں کا مذاق بناتی تھیں۔“ 19

عصمت کے افسانے کیوں کہ حقیقت نگاری کا مرقع ہیں اس لیے اُن میں حقیقی واقعات و رسوم کو جذبوں کی آمیزش کے ساتھ ہی پرویا گیا ہے۔ ان واقعات میں حسرتوں کا بیان بھی ہے اور رسوم سے منسلک وجودیت کے نظریات کا پرچار بھی۔ ماؤں کی خواہشات سے لے کر کنواری بیٹیوں کی حسرتوں کا اظہار ملتا ہے۔ امکانات کے سبھی دریچے اسی روزِ افسانہ سے نظر آتے ہیں۔ عصمت چغتائی کے افسانے ”جال“ میں ایک حسرت کو رسم کے ساتھ یوں پرو دیا گیا ہے کہ آنکھوں دیکھا حال معلوم پڑتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:-

"محلہ میں بھوری کی کنواری بیٹی مرگئی تو اس کا جنازہ کیا خوب صورت سجایا گیا تھا۔ سرہانے کے پاپیوں سے لمبا سا مہکتا سہرا باندھا گیا۔ سُرخ گوٹے کی اوڑھنی جسے زندگی میں وہ چھونے کو ترستی رہی، اُس پر ڈالی گئی اور بھوری جو اُٹھے بیٹھتے اُسے کو سا کرتی تھی اس پر جان دینے لگی۔" 20

توہمات کی دنیا میں عصمت نے بہت سے چر کے لگائے ہیں اور اس شدت سے لگائے ہیں کہ روحِ مشرق تڑپ اُٹھتی ہے۔ عصمت کا افسانہ "پیشہ" غلام عباس کے افسانے "آئندہ" کے مقابل پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس افسانے کے اندر معاشرتی ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ نام نہاد شرافت کے مصنوعی حجابِ شرفاء کے چہروں سے نوچے گئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طوائف ہر مزار کو ہاتھ لگاتی ہے تو مزار کو کچھ نہیں ہوتا کیوں کہ اُس نے سب سے زیادہ نذرانہ دینا ہوتا ہے جب کہ اس کے برعکس اگر وہ کسی عورت کو چھو لے تو دنیا اُٹھل ہو جاتی ہے حالاں کہ مردوں کی خواہش بھی اُس کے لمس کو پانے کی ہوتی ہے۔ اس افسانے میں جگہ جگہ معاشرے کے اس دوہرے رویے کو بے نقاب کیا گیا ہے جس میں عورت کے مختلف روپ اور اُن رویوں سے اُن کی معاشرتی زندگی کو اُجاگر کیا ہے۔ عصمت لکھتی ہیں:-

"بھرائچ میں سید میاں کے مزار پر جمعرات کو طوائفوں کا جھمگٹا ہوتا۔ اللہ کے پیارے بھی اس متبرک دن کچھ زیادہ ہی آجاتے۔ ایک دن ایک پکی سی طوائف نے مجھے نجانے کس جذبہ کے تحت گود میں اُٹھالیا۔ وہ اس کے پھسلنے کپڑے اور مخصوص خوشبو میں بسا سیدہ! میں جلدی سے اُس کی گود سے مچل آئی۔ اس دن مجھے سب نے خوب تھو تھو کر چھیڑا کہ ہے بچاری کو رنڈی نے چھو لیا اور میں بھی اس ہتک کو دیر تک روتی

عصمت کے ہاں تو ہم اور رسم کے ہر امکان کو پیش کرنے کی سعی ملتی ہے۔ اگرچہ وہ خود واشگاف لفظوں میں ایسا نہیں کہتی ہیں مگر اُن کے بین السطور پس منظر میں وہی چیز کار فرما ہوتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا مظاہرہ عورت کی طرف سے دیکھنے میں آتا ہے جب وہ مرد کا ہر ظلم سہتی ہے مگر ”مجازی خدا“ کے آگے کچھ کہنے کی جرات نہیں کرتی مبادا اس کی آخرت غارت ہو جائے۔ عصمت کو ایسی عورت سے چڑھتی ہے اور وہ اس معاملے میں بہت سخت رائے رکھتی ہے۔ وہ ایسی عورت کو معتب و ملعون گردانتی ہے اور اس کے لیے طنزیہ انداز میں اور کبھی کبھی جذباتی انداز میں افسانے کے کرداروں کو قوت گویائی دیتی ہے۔ اُن کے افسانے ”ایک شوہر کی خاطر“ کا موضوع بھی اسی طرز کا ہے اور اسی میں عصمت اپنا پیغام رسم و ثقافتی توہم کے انداز میں یوں پیش کرتی ہے:-

"ہندوستان کے شوہر اس قدر مر کھنے، ناکس کاٹ لیں، طلاقیں دے دیں، بڑی مشکل سے ملیں اور ملیں تو نکھٹو! رنڈی بازی کریں، جو اٹھیلیں مگر بیویاں ہیں کہ واری جارہی ہیں۔ جسے دیکھیے شوہر کے ذکر میں غلطی، جسے دیکھیے اپنے پیارے شوہر کا رونارہی ہیں۔ کنواریاں ہیں شوہر کے گیت گارہی ہیں۔ بیابیاں ہیں پریتم پرندا اور یہ پریتم، کتے خون تھکوائے دے رہے ہیں۔ ان مظالم معشوقانہ پر تو یہ حال ہے اگر ذرا لاڈ کر لیتے تو نہ جانے کیا ہوتا۔ میں نے سوچا میاؤں کے ظلم میں بھی کچھ مصلحت ہے۔" 22

عصمت نے رسوم و روایات و توہمات کو بیان کرتے کرتے بار بار تانیثیت کا پرچار کیا ہے۔ عید ہو، تہوار ہو، شادی ہو یا منگنی ہو، طوائف کے بغیر دنیا میں خوشی کا تصور نہیں ہے۔ یہ سیڈوسٹ معاشرہ دوسرے کی اذیت سے حظ اٹھاتا ہے اور عصمت نے اس کو یوں بیان کیا ہے کہ رسموں کی خوشی فضول ٹھہری:-

"اگر مجھے کسی وقت رنڈی پر پیار آتا ہے تو اس وقت جب وہ ناچ رہی ہو۔ اس وقت وہ مجھے عین مین اس محنتی مزدور کی طرح معلوم ہوتی ہے جو پیٹ کی خاطر سرمایہ داری کے کولہو میں بیل کی طرح جتا ہوا ہو یا جیسے کوئی گرہستن پگی ہیں رہی ہو۔ رقص کرنا مذاق نہیں بوٹی بوٹی ہل جاتی ہے جیسے دس سیراناں ہیں لیا ہو۔ مگر مجھے طوائف کی زندگی کے دوسرے رخ سے گھن اس لیے نہیں کہ وہ کچھ مختلف ہے بالکل نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ۔۔۔۔۔ پانچ ضرورت سے مشکل ہے۔۔۔۔۔ یہ بات نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ۔۔۔۔۔ یونہی۔" 23

عصمت چغتائی نے براہ راست توہم پرستی کے حوالے سے کھل کے بات نہیں کی البتہ مذہبی توہم پرستی یا مذہب سے جڑی ایسی باتوں کو جن کا مذہب سے تعلق تو نہیں بنتا لیکن ان کو مذہبی رنگ دے کر مذہب میں شامل کر لیا گیا ہے، کو نشانہ تنقید ضرور بنایا ہے۔ جب مذہب درباری ملا کے ہاتھ لگا تو انھوں نے اسے اپنی مرضی سے توڑ موڑ کر معاشرے میں پیش کیا۔ اس سے ایک شدت پسندی کی سی فضا بن گئی جس کی وجہ سے بہت سے لوگ مذہب سے بیزار ہو گئے۔ خاص کر ادیب طبقہ اس سے بہت متاثر ہوا۔ اس کا اثر عصمت کے ہاں کچھ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ مذہب سے بیزاری کا ہی عُصر ہے کہ انھوں نے اپنی آخری وصیت یہی کی کہ اُس کی لاش کو جلادیا جائے۔ اُس کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ اس وصیت کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد، عصمت کا تقابل ن۔م راشد سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ن۔م راشد اور عصمت چغتائی میں ذہنی اور جغرافیائی بُعد تھا مگر موت کے بعد، اپنے بے جان،۔۔۔
لاشے کے لیے،۔۔۔ ان دونوں بڑوں نے ایک سی ہدایت کی، شاید دونوں کو خوف تھا،۔۔۔ عذابِ قبر کا
ایسا ڈراوا،۔۔۔ جو،۔۔۔ انہی کا تراشا ہے جن کے خلاف انھوں نے لکھا۔" 24

الغرض عصمت چغتائی کا فن اور نظریہ فن معاشرے کے فنی حقائق سے پردے اٹھانے کا نام ہے۔ اس پردہ فاشی میں وہ خوف ناک حد تک بے باک ہیں۔ یہ بے باکی ان کے اندر کے انسان کی سچائی کی علامت بھی ہے اور دلیل بھی۔ اور یہ دلیلیں ان کی تحریروں میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ سید وقار عظیم، پروفیسر، نیا افسانہ (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۱۴۔
- ۲۔ فضل جعفری، اُردو افسانہ روایت و مسائل، مرتبہ گوپی چند نارنگ (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء)، ص ۳۲۴۔
- ۳۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، نیا افسانہ مسائل اور میلانات (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۰۔
- ۴۔ عصمت چغتائی، "اپنا خون"، مشمولہ، عصمت کے شاہکار افسانے (جہلم: بک کارنر، ۱۹۸۹ء)، ص ۲۳۔
- ۵۔ عصمت چغتائی، "ایک بات"، مشمولہ، ایک بات (لاہور: نیا ادارہ، بار سوم، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۴۔
- ۶۔ تابش الوری، رنگ نارنگ (غیر مطبوعہ شعری مجموعہ)، مملوکہ تابش الوری۔
- ۷۔ عصمت چغتائی، "بدن کی خوشبو"، مشمولہ، عصمت کے بہترین افسانے، مرتبین محمد خالد چودھری، محمد طارق چودھری (لاہور: چودھری اکیڈمی، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۱۱۔
- ۸۔ ایضاً، ص ۲۱۳، ۲۱۲۔
- ۹۔ عصمت چغتائی، "گیندا"، مشمولہ، ایضاً، ص ۲۵۳۔
- ۱۰۔ عصمت چغتائی، "بہو بیٹیاں"، مشمولہ، ایضاً، ص ۲۱۔
- ۱۱۔ عصمت چغتائی، "نہی کی نانی"، مشمولہ، ایضاً، ص ۴۸۔
- ۱۲۔ عصمت چغتائی، "کافر"، مشمولہ، ایضاً، ص ۴۲۔
- ۱۳۔ عصمت چغتائی، "وہ کون تھا"، مشمولہ، ایضاً، ص ۲۰۲۔
- ۱۴۔ عصمت چغتائی، "بخار"، مشمولہ، ایضاً، ص ۵۹۔
- ۱۵۔ عصمت چغتائی، "چھوٹی موٹی"، مشمولہ، ایضاً، ص ۱۴۳۔
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔
- ۱۷۔ عصمت چغتائی، "جانی دشمن"، مشمولہ، ایضاً، ص ۴۲۔
- ۱۸۔ عصمت چغتائی، "لبے ہاتھ"، مشمولہ، چند تصویر بتاں (لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۴۴ء)، ص ۱۱۔
- ۱۹۔ عصمت چغتائی، "نفرت"، مشمولہ، ایک بات، ص ۴۸۔

۲۰۔ عصمت چغتائی، "جال"، مضمولہ، چند تصویر بتاں، ص ۶۸۔

۲۱۔ عصمت چغتائی، "پیشہ"، مضمولہ، ایضاً، ص ۱۱۸۔

۲۲۔ عصمت چغتائی، "ایک شوہر کی خاطر"، مضمولہ، ایضاً، ص ۱۵۳۔

۲۳۔ عصمت چغتائی، "پیشہ"، مضمولہ، ایضاً، ص ۱۲۴۔

۲۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ص ۳۳۔